Vol.5 No.2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

معاشی محرومی میں ہبہ کا مستحسن کردار اور سماجی اثرات

THE POSITIVE ROLE AND SOCIAL IMPACT OF HIBA IN ECONOMIC DEPRIVATION

i. صائمہ حنیف

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

ABSTRACT

In terms of human rights, the concept of Islam is very clear and its role is very prominent. It defined the rights of the individual and the community and of different levels of individuals and classes and provided these rights in practice. It stands in support of the individuals and classes whose rights are being lost and severely criticized those who are encroaching on these rights and promised them the world and the hereafter.There have been examples of sacrifice that cannot be matched by any other religion. The way in which Muslims have introduced various methods of endowment, madrasahs, monasteries, hospitals, langarkhanas, public welfare works, sponsoring orphans, widows' welfare and how many other fields are there to help humanity. Therefore, every moment in the whole world, they are always diligent in the form of sincere and well-wishers. Hijrat Madinah has such bright examples in its history, which humanity can never turn away from each other's suffering and kindness. This article expresses the bright Islamic history of endowment and hiba and its impacts on human society.

Keywords: *endowment, hiba, public welfare, social impacts of hiba, human welfareness*

حقوق انسانی کے سلسلہ میں اسلام کا تصور بہت ہی واضح اور اس کا کردار بالکل نمایاں ہے۔اس نے فرد اور جماعت اور مختلف سطح کے افراد اور طبقات کے حقوق کا تعین کیا اور عملاً یہ حقوق فراہم کیے۔جن افراد اور طبقات کے حقوق ضائع ہو رہے تھے ان کی نصرت و حمایت میں کھڑا ہوا اور جو لوگ ان حقوق پر دست درازی کر رہے تھے ان پر سخت تنقید کی اور انہیں دنیا اور آخرت کی وعید سنائی، معاشرہ کو ان کے ساتھ بہتر سلوک کی تعلیم و ترغیب دی اور ہم دردی و غم گساری کی فضا پیدا کی،اسلام کا نظام ہبہ انفرادی، اجتماعی اور ریاستی سطح پر نہایت اہمیت اور غیر معمولی صفات کا حامل ہے، اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس میں بیش بہا اضافہ ہوا، ایثار و قربانی کی وہ مثالیں رقم ہوئیں جن کی نظیر پیش کرنا کسی بھی دوسرے مذہب کے لیے محال ہے، مسلمانوں نے جس انداز سے وقف و ہبہ کے مختلف طریقے رائج کیے، مدرسوں، خانقاہوں، ہسپتالوں، لنگرخانوں، رفاہ عامہ کے کاموں، یتامیٰ کی کفالت، بیواؤں کی داد رسی اور کتنے ہی ایسے دیگر شعبہ جات ہیں جن سے انسانیت کی مدد کرنے کے لیے ہر لحہ پوری دنیا میں مخلصین و بہی خواہوں کی صورت میں ہر دم مستعد رہتے ہیں۔ہجرت مدینہ ایسی روشن مثالیں اپنی تاریخ میں سموئے ہوئے ہے جن پر عمل پیرگی میں انسانیت کبھی بھی ایک دوسرے کے دکھ درد اور خیر خواہی سے پہلو تہی نہیں کر سکتی۔

محمد علی جانباز اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”جب نبی کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں اقامت اختیار فرمائی اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مدینہ میں اقامت گزیں ہوئی تو مدینہ کے رہنے والوں یعنی انصار نے ان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اور ایثار و سخاوت نیز اخوت و محبت کی جو عظیم روایت قائم کی، بلامبالغہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کے لیے اپنے دیدۂ و دل ہی فرش راہ نہیں کیے بلکہ اپنے خون پسینہ کی گاڑھی کمائی بھی ان کے لیے وقف کر دی، انہوں نے اپنی زمین ، اپنے باغات اور اپنے مکانات آدھوں آدھ ان میں تقسیم کر دیئے، ان کی خدمت گزاری اور خاطر تواضع میں شرافت انسانی کی ساری بلندیوں کو پیچھے چھوڑ دیا، چنانچہ ان کے اسی طرزِ عمل اور ان کے بے پایاں احسانات نے مہاجرین کو اتنا متاثر کیا کہ وہ باقاعدہ بارگاہ رسالت میں اپنا یہ اندیشہ لے کر حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ ﷺ! یہ انصار کہیں سارا ثواب ہی نہ لے بیٹھیں، کیونکہ ہم نے تو آج تک ان سے زیادہ

ایثار پسند ، مخیر و سخی اور احسان کرنے والی کوئی قوم نہیں دیکھی ہے، انہوں نے مال و زر کی کمی بیشی سے بے نیاز ہو کر ہماری خاطر داری کی ہے جس کے پاس زیادہ مال تھا، اس نے ہم پر اتنا ہی زیادہ خرچ کیا جس کے پاس کم مال تھا اس نے اسی کے مطابق ہماری اعانت کی، گویا جس کی جتنی استطاعت تھی اس نے اسی حیثیت سے ہماری مہمانداری و غمخواری کی، یہاں تک کہ انہوں نے حصول معاش میں ہمیں محنت و مشقت سے بھی باز رکھا بایں طور کہ کھیتی باڑی کی محنت، باغات اور درختوں کی دیکھ بھال کی صعوبت اور مکانات بنانے کی مشقت انہوں نے خود اپنے ذمہ لی مگر منفعت و پیداوار میں ہمیں برابر کا شریک کر رکھا ہے کہ وہ اپنی زمین اور اپنے باغات میں اپنی محنت سے جو کچھ کرتے ہیں آدھا ہمیں تقسیم کر دیتے ہیں۔چنانچہ اب توہم ڈرنے لگے ہی کہ یہ ہمارا سارا ثواب خود ہی حاصل نہ کریں، اور یہ اندیشہ ہے کہ ہماری ہجرت اور ہماری عبادتوں کا اجر اللہ تعالیٰ کہیں ان کے اعانات کی بے پناہ زیادہ کی وجہ سے ان کے نامۂ اعمال میں نہ لکھ دے“۔[1]

[1] جانباز، محمد علی، ”احکامِ وقف و ہبہ“، ادارہ جامعہ رحمانیہ۔سیالکوٹ، ص: ۴۹، ۵۰

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

انسانوں کے حقوق کے سلسلے میں سید جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

قرآن مجید انسانی حقوق کی ان کوششوں کی اساس ہے اور احادیث میں ان کی قولی و عملی تشریح موجود ہے۔ قرآن و حدیث کا اندازِ بحث و نظر مروجہ قانونی کتابوں کا سا نہیں ہے۔ قانون کی کتابیں حقوق کا دفعہ وار ذکر کرتی اور حسب ضرورت ان کی تشریح کرتی ہیں۔ قرآن مجید کا طرزِ گفتگو اخلاقی بھی ہوتا ہے اور قانونی بھی۔ وہ جب اخلاق کا ذکر کرتا ہے تو ادائے حقوق کو سیرت و اخلاق کے لازمی تقاضے اور اعلیٰ کردار کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی ستائش اور تعریف کرتا ہے جو ہر ایک کا حق ادا کرتے ہیں اور انہیں دنیا اور آخرت میں فلاح و کامرانی کی بشارت دیتا ہے اور جہاں ظلم و ستم اور حقوق کی پامالی ہو وہ اس کے سنگین نتائج سے آگاہ کرتا اور اس پر جہنم کی وعید سناتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ان حقوق کا قانونی الفاظ میں بھی ذکر کرتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی حق کا ایک ہی جگہ ذکر کرے، اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کا ایک پہلو ایک جگہ اور دوسرا پہلو دوسری جگہ بیان کرتا ہے۔ احادیث کا بھی یہی انداز ہے، اس لیے کسی حق کو جاننے کے لیے پوری قرآن اور ذخیرہ حدیث کو دیکھنا پڑتا ہے۔ ہمارے فقہاء اور ماہرین شریعت نے تفصیل سے اس پر غور کیا ہے اور حقوق کے تعین کی، اپنے دور کے حالات و ظروف کے لحاظ سے کوشش کی ہے، اسلامی قانون کے سمجھنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے"۔[2]

مساوات انسانی کو اسلام نے بے حد اہمیت دی ہے۔ اس حوالے سے کوئی اور مذہب اور نظام اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ قرآن حکیم نے بنی نوع انسان کی مساوات کی اساس بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُواْ اللهَ الَّذِى تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا}[3]

"اے لوگو!اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش ایک جان سے کی، پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا، پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ}[4]

"اے لوگو!ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے طبقات اور قبیلے بنا دیئے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک اللہ کے نزدیک تو تم سب میں عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، بے شک اللہ سب کچھ جانتا باخبر ہے"۔

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب و نسب اور مال و دولت پر مبنی تعصبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہوں یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ انسانی مساوات کی اس سے بڑی مثال کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں، نسلوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ہر سال مکۃ المکرمہ میں ایک ہی لباس میں ملبوس حج ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر القادری انسانی مساوات اور احترام آدمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"احترامِ آدمیت اور نوعِ بشر کی برابری کے نظام کی بنیاد ڈالنے کے بعد اسلام نے اگلے قدم کے طور پر عالم انسانیت کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبہ ہائے زندگی میں بے شمار حقوق عطا کئے۔ انسانی حقوق اور آزادیوں کے بارے میں اسلام کا تصور آفاقی اور یکساں نوعیت کا ہے جو زماں و مکاں کی تاریخی اور جغرافیائی حدود سے ماورا ہے۔ اسلام میں حقوق انسانی کا منشور اُس اللہ کا عطا کردہ ہے جو تمام کائنات کا خدا ہے اور اس نے یہ تصور اپنے آخری پیغام میں اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے دیا ہے۔ اسلام کے تفویض کردہ حقوق اللہ تعالی کی طرف سے ایک انعام کے طور پر عطا کئے گئے ہیں اور ان کے حصول میں انسانوں کی محنت اور کوشش کا کوئی عمل دخل نہیں۔ دنیا کے قانون سازوں کی طرف سے دیئے گئے حقوق کے برعکس یہ حقوق مستقل بالذات، مقدس اور ناقابل تنسیخ ہیں۔ ان کے پیچھے الٰہی منشا اور ارادہ کار فرما ہے اس لئے انہیں کسی عذر کی بناء پر تبدیل، ترمیم یا معطل نہیں کیا جا سکتا۔ ایک حقیقی اسلامی ریاست میں ان حقوق سے تمام شہری مستفیض ہوسکیں گے اور کوئی ریاست یا فرد واحد ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ قرآن و سنت کی طرف سے عطا کردہ بنیادی حقوق کو معطل یا کالعدم قرار دے سکتا ہے۔ اسلام میں حقوق اور فرائض باہمی طور پر مربوط اور ایک دوسرے

---

[2] عمری، جلال الدین، سید "اسلام انسانی حقوق کا پاسباں"، مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ انڈیا، ص:۸

[3] النساء، ۴: ۱

[4] الحجرات، ۴۹: ۱۳

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

پر منحصر تصور کئے جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام میں فرائض، واجبات اور ذمہ داریوں پر بھی حقوق کے ساتھ ساتھ یکساں زور دیا گیا ہے۔اس ذیل میں متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، جن سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلامی شریعت کے ان اہم ماخذ و مصادر میں انسانی فرائض و واجبات کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے"۔[5]

نبی کریم ﷺ کی جودوسخا اور عطایات سے احادیث بھری پڑی ہیں، بہت سے لوگ حلقۂ بگوش اسلام صرف اس وجہ سے ہو جاتے کہ نبی کریم ﷺ جودوسخا میں سب سے بڑھ کر ہیں، اور کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کی صفتِ نرمی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

{فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ}[6]

"(اے محمد ﷺ) یہ اللہ کی طرف سے آپ پر رحمت ہے کہ آپ لوگوں کے لیے نرم مزاج ہیں اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے قریب سے دور بھاگ جاتے"۔

سید قطب شہید اس حوالے سے فرماتے ہیں:

'' فهى رحمة الله نالته ونالتهم؛ فجعلتهﷺ رحيما بهم، لينا معهم۔ ولو كان فظا غليظا القلب ما تألفت حوله القلوب، ولا تجمعت حوله المشاعر۔ فالناس فى حاجة الى كنف رحيم، والى رعاية فائقة، والى بشاشة سمحة، والى ود يسعهم، وحلم لا يضيق بجهلهم وضعفهم ونقصهم۔۔ فى حاجة الى قلب كبير يعطيهم ولا يحتاج منهم الى عطاء؛ ويحمل همومهم ولا يعنيهم بهمه؛ ويجدون عنده دائما الاهتمام والرعاية والعطف والسماحة والود والرضاء۔۔ وهكذا كان قلب رسول اللهﷺ وهكذا كانت حياته مع الناس۔ ما غضب لنفسه قط ولا ضاق صدر بضعفهم البشر۔ ولا احتجز لنفسه شيئا من أعراض هذه الحياة، بل أعطاهم كل ما ملكت يداه فى سماحه ندية۔ ووسعهم حمله وبره وعطفه ووده الكريم۔ وما من واحد منهم عاشره أو رآه الا امتلأ قلبه بحبه؛ نتيجة لما أفاض عليه ﷺ من نفسه الكبيرة الرحيبة''۔[7]

"یہ اللہ ہی کی رحمت تھی جو اس نے اپنے نبی ﷺ اور لوگوں پر فرمائی اور جس کی وجہ سے نبی ﷺ لوگوں کے لیے مہربان اور مشفق بن گئے ، اگر وہ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ دلی محبت اور جذبات و احساسات کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع نہ ہوتے، لوگوں کو بہت زیادہ ضرورت تھی، ایک مہربان آغوش کی، اعلیٰ نگہداشت کی، ہنستے مسکراتے چہرے کی، ایسی محبت کی جس میں وہ سب سما جائیں، ایسے حلم کی جو ان کی جہالت، کمزوری یا عیوب کی وجہ سے ختم نہ ہو جائے، وہ منتظر تھے ایک بہت بڑے فیاض دل کے ، جو لوگوں کو تو دے مگر ان سے کچھ نہ مانگے، جو ان کے غم دور کردے مگر اپنا غم انہیں نہ دے، وہ ایسی شخصیت کے طالب تھے جس کے پاس انہیں ہمیشہ توجہ، نگہداشت، مہربانی ، سخاوت، محبت اور خوشنودی ملے، اور رسول اللہ ﷺ کا دل ایسا ہی تھا، اور لوگوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ بھی ایسا ہی تھا، آپ ﷺ کبھی اپنی ذات کے لیے غصے میں نہیں آئے، لوگوں کی بشری کمزوریوں کی وجہ سے آپ کا سینہ تنگ نہیں ہوا، دنیا کا مال کبھی اپنی ذات کے لیے جمع نہیں کیا، بلکہ جو کچھ بھی آپ کے ہاتھ آیا، آپ ﷺ نے سخاوت کرتے ہوئے لوگوں کو عطا فرما دیا اور ان سب کو اپنے علم، حسن سلوک اور شفقت و محبت کے سائے تلے لے لیا، جس شخص نے بھی آپ کو دیکھا یا آپ ﷺ کے ساتھ کچھ وقت گزارا، آپ ﷺ کی مہربانیوں اور شفقتوں کے نتیجے میں اس کا دل آپ ﷺ کی محبت سے لبریز ہو گیا"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''كَانَ رَسُوْلُ اللهِﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَشْجَعَ النَّاسِ، وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَانْطَلَقَ نَاسٌ قَبْلَ الصَّوْتِ، فَتَلَقَّاهُمْ رَسُوْلُ اللهِﷺ رَاجِعًا، وَقَدْ سَبَقَهُمْ اِلَى الصَّوْتِ وَهُوَ عَلٰى فَرَسٍ لِأَبِيْ طَلْحَةَ عُرْيٍ فِيْ عُنُقِهِ السَّيْفُ وَهُوَ يَقُوْلُ: ((لَمْ تُرَاعُوْا، لَمْ تُرَاعُوْا)) قَالَ: ((وَجَدْنَاهُ بَحْرًا، أَوْ اِنَّهُ لَبَحْرٌ))قَالَ: وَكَانَ فَرَسًا يُبَطَّأُ ''۔[8]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے، ایک مرتبہ رات کے وقت اہلِ مدینہ خوف و ہراس کا شکار ہو گئے اور جس طرف سے آواز آئی تھی، کچھ لوگ اس کی جانب چل پڑے، راستے میں انہیں نبی ﷺ واپس آتے ہوئے ملے، نبی ﷺ ان سے پہلے ہی اس آواز کی جانب چل پڑے تھے، اس وقت نبی ﷺ حضرت ابو طلحہ کے گھوڑے پر سوار تھے جس hپر زین بھی نہ تھی، نبی ﷺ نے اپنی گردن میں تلوار لٹکا رکھی تھی اور فرما رہے تھے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، گھبرانے کی کوئی بات نہیں، پھر اس گھوڑے کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اسے سمندر کی طرح رواں پایا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہ گھوڑا سست رفتار تھا"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

''أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّﷺ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ، فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ، فَأَتٰى قَوْمَهُ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ، أَسْلِمُوْا، فَوَاللهِ اِنَّ مُحَمَّدًا لَيُعْطِيْ عَطَاءً مَا يَخَافُ الْفَقْرَ۔ فَقَالَ أَنَسٌ: اِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيُسْلِمُ مَا يُرِيْدُ اِلاَّ الدُّنْيَا، فَمَا يُسْلِمُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْإِسْلَامُ أَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا۔[9]

---

[5] طاہر القادری، ڈاکٹر "اسلام اور کفالت عامہ"، منہاج القرآن پبلی کیشنز۔لاہور، ص:۱۹

[6] آل عمران، ۳: ۱۵۹

[7] سید قطب، "فی ظلال القرآن"، سورۃ آل عمران، مکتبہ منبر التوحید والجہاد، ص:۲۰۵

[8] مسلم، ''الجامع الصحيح''، كتاب الفضائل، بَابٌ فِي شَجَاعَةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَقَدُّمِهِ لِلْحَرْبِ

[9] مسلم، ''الجامع الصحيح''، كتاب الفضائل، بَابُ مَا سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا وَكَثْرَةُ عَطَائِهِ

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

”کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے بکریوں کا ایک ریوڑ مانگا جو دو پہاڑوں کے درمیان آتا تھا، نبی ﷺ نے اسے وہ ریوڑ دیدیا، وہ آدمی اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے میری قوم! مسلمان ہو جائو، بخدا محمد ﷺ تو اتنا کچھ عطا فرما دیتے ہیں کہ انسان کو فقروفاقہ اور تنگدستی کا اندیشہ ہی نہیں رہتا،حضرت انسhفرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایک آدمی مسلمان ہوتا تھا، وہ محض دنیا کی خواہش رکھتا تھا، یہاں تک کہ بعد میں اسلام ہی اسے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہو جاتا تھا“۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سخاوت:

حضرت عمر بن خطاب hبیان کرتے ہیں کہ :

’’أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا أَنْ نَتَصَدَّقَ، فَوَافَقَ ذَلِکَ مَالًا عِنْدِی، فَقُلْتُ:الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَا بَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا، فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِی، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَا أَبْقَيْتَ لِأَہْلِکَ؟، قُلْتُ:مِثْلَهُ، قَالَ: وَأَتَى أَبُو بَكْرٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَا أَبْقَيْتَ لِأَہْلِکَ؟ قَالَ:أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، قُلْتُ:لَا أُسَابِقُکَ إِلَى شَیْءٍ أَبَدًا‘‘۔[10]

”ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، اس موقع پر میرے پاس مال بھی تھا چنانچہ میں نے دل میں سوچا اگر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لینا چاہوں تو آج لے سکتا ہوں، چنانچہ میں آدھا مال لے آیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی چھوڑا ہے؟ میں نے کہا: اسی قدر پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔تب مجھے کہنا پڑا، میں کسی چیز میں کبھی ابو بکر سے آگے نہیں بڑھ سکتا“۔

اس جودوسخا کے باوجود سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں رائی برابر بھی کسی طرح کی بڑائی کا پہلو نہیں تھا، بلکہ عاجزی و انکساری کے ساتھ آپ ہمیشہ لوگوں کے لیے اپنی صفات، اپنے مال اور حسن سلوک سے اپنی مثال آپ تھے، ایک دن ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور اللہ کی حمدوثنا کے بعد فرمایا:

’’ أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنِّی قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ، فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِی، وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِی، الصِّدْقُ أَمَانَةٌ، وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ، وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِیٌّ عِنْدِی حَتَّى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ، إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَالْقَوِیُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ حَتَّى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ، إِنْ شَاءَ اللَّهُ، لَا يَدْعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِی سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللَّهُ بِالذُّلِّ، وَلَا تَشِيعُ الْفَاحِشَةُ فِی قَوْمٍ إِلَّا عَمَّهُمُ اللَّهُ بِالْبَلَاءِ أَطِيعُونِی مَا أَطَعْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَلَا طَاعَةَ لِی عَلَيْكُمْ، قُومُوا إِلَى صَلَاتِكُمْ يَرْحَمْكُمُ اللَّهُ‘‘۔[11]

”اے لوگو! میں تم پر والی مقرر کیا گیا ہوں، لیکن تم میں سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے، تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک طاقتور شخص ہے جب تک میں دوسروں سے اس کا حق نہ دلوا دوں ان شاء اللہ، اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق وصول نہ کر لوں، ان شاء اللہ۔یاد رکھو!جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اللہ اس قوم کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اللہ اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔اللہ تم سب پر رحم فرمائے، نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ“۔

لوگوں کے ساتھ خیرخواہی، عدل و انصاف، غریبوں اور ناتواں لوگوں کی مدد کے جذبات اور سب سے بڑھ کر انہیں سہارا دے کر کھڑا کرنے کا جذبہ کس قدر ابو بکر صدیق hکے بنیادی خواص میں شامل تھا، خطبے کے ضمن میں ابو نعمان سیف اللہ خالد لکھتے ہیں:

”یہ خطبہ اپنے اختصار و ایجاز کے باوجود اہم ترین اسلامی خطبوں میں سے ہے، اس میں سیدنا ابو بکرhنے حاکم و رعایا کے مابین تعامل کے سلسلہ میں عدل و رحمت کے قواعد مقرر کیے۔اس بات پر نصیحت کی کہ ولی الامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر موقوف ہے۔جہاد فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلائی، کیونکہ امت کی عزت و شان کے لیے یہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور فواحش سے اجتناب پر زور دیا، معاشرے کو گراوٹ و فساد سے بچانے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے“۔[12]

ڈاکٹر علی محمد الصلابی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فصیح و بلیغ خطبے سے متعلق لکھتے ہیں:

خلافت صدیقی شریعت مطہرہ کے تابع تھی اور ہر تشریع و قانون پر شریعت اسلامیہ کو بالادستی حاصل تھی اور خلافت صدیقی نے اسلامی حکومت کے شرعی حکومت ہونے کی واضح اور روشن تصویر پیش کی ہے، جو اپنے تمام اداروں اور شعبوں میں شرعی قوانین کی پابند ہوتی ہے اور اس حکومت میں حاکم شرعی قوانین کا پابند ہوتا ہے، ان قوانین سے انحراف یا آگے پیچھے ہٹنے کی ذرا بھی گنجائش اس کے لیے نہیں ہوتی۔ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے اعمال کی نگرانی اور احتساب میں امت اور افراد امت کے حق کو ثابت کرتے ہیں بلکہ ہر منکر سے جس کا وہ ارتکاب کریں روکنے اور جسے وہ صحیح اور شریعت کے مطابق سمجھتے ہوں، اس پر مجبور کرنے کا ان کو حق دیتے ہیں، اور آپ نے اپنے خطبہ کے آغاز میں اس حقیقت کو ثابت کیا ہے کہ ہر حاکم سے غلطی کا صدور ہو سکتا ہے اور اس کا احتساب کیا جاسکتا ہے اور یہ منصب اس کو کسی شخصی امتیاز سے حاصل نہیں، جس کی وجہ سے دوسروں پر اس کو افضیلت حاصل ہو، کیونکہ عصمت صرف انبیاء کا خاصہ ہے اور ان کا دور ختم ہو چکا ہے اور آخری رسول جن پر وحی نازل ہوتی تھی، وہ اپنے رب کے جوار رحمت میں منتقل ہو چکے ہیں...ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے میں امت ایک زندہ سمجھدار ادارہ ہے جس کو نصرت و نصیحت، احتساب اور اصلاح کی قدرت حاصل ہے اور رعایا پر واجب ہے کہ وہ دین و جہاد کے امور میں مسلم حاکم کی نصرت و معاونت اور تائید کریں اور حاکم کی نصرت میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کی تذلیل و توہین نہ کی جائے اور اس کی معاونت میں یہ

---

10 ابی داؤد، ’السنن‘‘، کتاب الزکاۃ، بَابٌ فِی الرُّخْصَةِ فِی ذَلِکَ

11 ابن کثیر، ”البدایۃ والنھایۃ“، فصل:خلافۃ ابی بکر الصدیق، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔لبنان، ج:۹، ص:۴۱۵

12 سیف اللہ خالد، ابو نعمان، ”سیرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ“، دار الاندلس۔لاہور، ص:۱۶۴

Vol.5 No.2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

شامل ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور اس کی تعظیم و تکریم کی جائے...اسلامی حکومت کے اہداف میں سے اسلامی نظام کی ان بنیادوں کی حفاظت ہے، جو اسلامی معاشرہ کے قیام میں ممدومعاون ثابت ہوں اور ان بنیادوں میں سے اہم یہ ہیں: شورائیت، عدل، مساوات اور آزادی۔ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امت سے اپنے خطاب میں ان اساسیات اور بنیادوں کو ثابت کیا، آپ کی بیعت و انتخاب اور مسجد میں خطاب عام سے شورائیت ثابت ہوتی ہے اور آپ کے خطاب کے نصوص سے عدالت اجاگر ہوتی ہے اور بلاشبہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے میں عدل سے مقصود اسلامی عدل ہے جو اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کے قیام میں اساسی ستون ہے، جس معاشرہ میں ظلم کا دور دورہ ہو اور عدل کا نام و نشان نہ ہو وہاں اسلام کا عملی اور اجتماعی وجود نہیں ہوتا"۔[13]

عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

رعایا کے مسائل کو سننا اور ان کی محرومیوں کا ازالہ کرنا خلفاء راشد عمر فاروقhکے بنیادی خواص میں سے تھا، امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ:

''خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَى السُّوقِ، فَلَحِقَتْ عُمَرَ امْرَأَةٌ شَابَّةٌ، فَقَالَتْ:يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ، هَلَكَ زَوْجِي وَتَرَكَ صِبْيَةً صِغَارًا، وَاللَّهِ مَا يُنْضِجُونَ كُرَاعًا، وَلاَ لَهُمْ زَرْعٌ وَلاَ ضَرْعٌ، وَخَشِيتُ أَنْ تَأْكُلَهُمُ الضَّبُعُ، وَأَنَا بِنْتُ خُفَافِ بْنِ إِيْمَاءَ الغِفَارِيِّ، وَقَدْ شَهِدَ أَبِي الحُدَيْبِيَةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺفَوَقَفَ مَعَهَا عُمَرُ وَلَمْ يَمْضِ، ثُمَّ قَالَ:مَرْحَبًا بِنَسَبٍ قَرِيبٍ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى بَعِيرٍ ظَهِيرٍ كَانَ مَرْبُوطًا فِي الدَّارِ، فَحَمَلَ عَلَيْهِ غِرَارَتَيْنِ مَلَأَهُمَا طَعَامًا، وَحَمَلَ بَيْنَهُمَا نَفَقَةً وَثِيَابًا، ثُمَّ نَاوَلَهَا بِخِطَامِهِ، ثُمَّ قَالَ:اقْتَادِيهِ، فَلَنْ يَفْنَى حَتَّى يَأْتِيَكُمُ اللَّهُ بِخَيْرٍ، فَقَالَ رَجُلٌ:يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ، أَكْثَرْتَ لَهَا؟ قَالَ عُمَرُ:ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَى أَبَا هَذِهِ وَأَخَاهَا، قَدْ حَاصَرَا حِصْنًا زَمَانًا فَافْتَتَحَاهُ، ثُمَّ أَصْبَحْنَا نَسْتَفِيءُ سُهْمَانَهُمَا فِيهِ''۔[14]

"سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازار کی طرف نکلے کہ ایک عورت نے آپ سے ملاقات کی اور کہنے لگی: اے امیر المومنین! میرے شوہر کی وفات ہو گئی ہے اور چند چھوٹی چھوٹی بچیاں چھوڑ گئے ہیں۔اللہ کی قسم! اب نہ ان کے پاس بکری کے پائے ہیں کہ ان کو پکالیں، نہ کھیتی ہے، نہ دودھ دینے والے جانور ہیں۔مجھے ڈر ہے کہ وہ فقروفاقہ سے ہلاک نہ ہوجائیں، میں خفاف بن ایماء کی بیٹی ہوں۔میرے والد نبی ﷺ کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ میں شریک تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کچھ دیر ان کے پاس کھڑے رہے آگے نہیں بڑھے، پھر فرمایا: مرحبا، تمہارا خاندانی تعلق تو بہت ہی قریبی ہے، پھر آپ ایک بڑے طاقتور اونٹ کی طرف گئے جو گھر میں بندھا ہوا تھا اور اس پر دو بورے غلے سے بھرے ہوئے رکھ دیے۔ان دونوں بوروں کے درمیان روپیہ اور دوسری ضرورت کی چیزیں اور کپڑے رکھ دیے اور اس اونٹ کی نکیل اس عورت کے ہاتھ میں تھما کر فرمایا: یہ ختم نہیں ہوگا ، اس سے پہلے ہی اللہ تعالی تمہیں اس سے بہتر دے گا۔ایک آدمی کہنے لگا: اے امیر المومنین! آپ نے اسے بہت زیادہ مال دے دیا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم پائے، اللہ کی قسم! اس عورت کے والد اور بھائی اب بھی میری نظروں کے سامنے ہیں کہ ایک مدت تک ایک قلعہ کے محاصرے میں وہ شریک رہے اور آخر اسے فتح کر لیا۔پھر ہم صبح کو ان دونوں کا مال غنیمت سے حصہ وصول کر رہے تھے"۔

دوسری روایت جو امام بخاری نے روایت کی، اس میں بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی غریب طبقے کیلئے غمخواری اور ایثار کی اعلیٰ مثال دیکھی جا سکتی ہیں، سیدنا عبداللہ بن عمرiبیان کرتے ہیں کہ:

''أَصَابَ عُمَرُ بِخَيْبَرَ أَرْضًا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:أَصَبْتُ أَرْضًا لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ مِنْهُ، فَكَيْفَ تَأْمُرُنِي بِهِ؟ قَالَ:إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا، فَتَصَدَّقَ عُمَرُ أَنَّهُ لاَ يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلاَ يُوهَبُ وَلاَ يُورَثُ فِي الفُقَرَاءِ، وَالقُرْبَى وَالرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالضَّيْفِ وَابْنِ السَّبِيلِ، لاَ جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ''۔[15]

"سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی تو آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا۔آپ مجھے اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اصل جائیداد اپنے قبضے میں رکھ اور اس کے منافع کو صدقہ کر دے، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط کے ساتھ صدقہ کیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے، نہ کسی کو وراثت میں دی جائے، البتہ فقراء، رشتہ داروں، غلام آزاد کرانے، اللہ کے راستے میں، مہمانوں اور مسافروں کے لیے وقف رہے گی"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اسلم بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے اپنے والد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعض حالات پوچھے جو میں نے انہیں بتا دیئے تو وہ کہنے لگے:

'' مَا رَأَيْتُ أَحَدًا قَطُّ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ حِينَ قُبِضَ، كَانَ أَجَدَّ وَأَجْوَدَ حَتَّى انْتَهَى مِنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ''[16]

"رسول اللہ ﷺ کے بعد میں نے کسی شخص کو دین کے لیے اتنی محنت کرنے والا اور سخاوت کرنے والا نہیں دیکھا یہ خصائل عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گئے"۔

---

[13] الصلابی، علی محمد،ڈاکٹر،" سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے"،مترجم: شمیم احمد خلیل، مکتبہ الفرقان، مظفر گڑھ۔پاکستان، ص: ۲۱۱،۲۱۲

[14] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب المغازی، بَابُ غَزْوَةِ الحُدَيْبِيَةِ

[15] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الوصایا، بَابُ الوَقْفِ كَيْفَ يُكْتَبُ؟

[16] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب المناقب، بَابُ مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ القُرَشِيِّ العَدَوِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

عثمان غنی رضی اللہ عنہ:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تاجر اور سرمایہ دار صحابہ میں شمار ہوتا تھا، آپ نے اپنے مال سے اسلام اور اہلیانِ اسلام کو بہت تقویت بخشی، مشکل حالات میں نبی کریم ﷺ کے لیے اپنے مال کے منہ کھول دیئے۔انہوں نے رفاہِ عامہ کے کاموں میں :

۱۔ اہلیانِ مدینہ منورہ کیلئے "بئر رومہ" خرید کر عطیہ فرمایا۔[17]

۲۔ مسجد نبوی کی توسیع کے لیے عطیات پیش کیے۔[18]

۳۔ اسلامی لشکروں کے لیے سازو سامان اور مال و دولت کے عطیات پیش کیے۔[19]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

پہلے خلفاء ثلاثہ کی طرح حضرت علی h کی شانِ فیاضی کے چرچے پورے مدینہ میں معروف تھے، ڈاکٹر علی محمد الصلابی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

۱۔ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین ! میں آپ سے ایک ضرورت کے سلسلے میں مدد کا طلبگار ہوں، لیکن آپ کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے یہ ضرورت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر چکا ہوں، اگر آپ نے میری یہ ضرورت پوری کر دی تو میں اللہ کا شکر ادا کروں گا اور آپ کا شکریہ بھی ادا کروں گا، لیکن اگر آپ نے میری یہ ضرورت پوری نہ کی تو میں اللہ کا شکر ادا کروں گا اور آپ کو معذور سمجھوں گا، حضرت علی hنے فرمایا: اپنی ضرورت زمین پر لکھ دو مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ مانگنے کی ذلت تمہارے چہرے پر دیکھوں۔اس شخص نے زمین پر لکھ دیا کہ مجھے پہننے کے لیے کپڑوں کا ایک جوڑا چاہیے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم پر اسے ایک خوبصورت جوڑا پیش کر دیا گیا۔اس آدمی نے یہ جوڑا لے کر پہن لیا اور پھر اشعار کی صورت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی توصیف کی۔

۲۔ امیر المومنین سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: سات دن ہو گئے میرے پاس کوئی مہمان نہیں آیا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گیا۔

۳۔ وہ بیس درہم جو میں اپنے مومن بھائی کو دوں مجھے ان سو درہموں سے زیادہ محبوب ہیں جو میں مساکین کے لیے صدقہ کروں۔

۴۔ جب ان سے سخاوت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: سخاوت وہ ہے جو بن مانگے کی جائے اور اگر مانگنے پر کی جائے تو وہ بوجہ حیا تکلف پر مبنی جودو کرم ہو گا۔

۵۔ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں بہت کچھ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا،ینبع میں اپنی زمین مسلمانوں کے لیے وقف کر دی اور اس بارے میں تحریر لکھی: اس بات کا حکم علی بن ابی طالبhنے دیا ہے اور اپنے مال کے بارے میں یہ فیصلہ کیا، میں نے ینبع، وادی القری الاذینہ اور زاغۃ اللہ کی راہ اور قریب اور دور کے ذوِی الارحام کے لیے صدقہ کر دیا ہے، نہ اسے کسی کو ہبہ کیاجائے اور نہ کوئی اس کا وارث ہو گا، چاہے میں زندہ رہوں یا فوت ہو جاؤں۔

۶۔ انہوں نے اپنے کیے گئے صدقات کے بارے میں فرمایا: میں نے وہ وقت بھی دیکھا ہوا ہے جب میں نے بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا جبکہ آج میرے صدقات چار ہزار دینار تک پہنچ چکے ہیں۔چار ہزار دینار سے مراد ان کے مال کی زکاۃ نہیں ہے۔بلکہ یہ وقف شدہ صدقہ کی مالیت ہے۔

۷۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! آج تم سے وہ شخصیت جدا ہو گئی ہے جس نے ترکے میں سونا چھوڑا نہ چاندی، ہاں صرف وہ سات سو درہم ضرور موجود ہیں جو ان کے وظیفے میں سے بچ گئے تھے، اور وہ اس سے ایک خادم خریدنا چاہتے تھے۔وہ لوگوں کو اہل و عیال اور افراد خاندان کے اکرام کی ترغیب دیاکرتے تھے اور فرماتے تھے:

اپنے اہل خاندان کی عزت کرو ، وہ تمہارے لیے پَر کی مانند ہیں، تم انہیں کے تعاون سے اڑان بھر سکتے ہو، وہ تمہاری عزت و طاقت ہیں، حالات کی شدت میں وہ تمہارے لیے قوت بازو ہیں، ان میں سے بڑے مرتبہ والے کی عزت کرو، بیمار کی بیمار پُرسی کرو، انہیں اپنے امور میں شریک کرو اور ان میں سے تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کرو"۔[20]

ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا: میں فاقہ سے ہوں، آپ نے اپنی کسی بیوی کی طرف پیغام بھیجا۔انہوں نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میرے پاس تو پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔پھر آ نے دوسری بیوی کے پاس پیغام بھیجا۔انہوں نے بھی اسی طرح کہا، حتی کہ سب بیویوں کی طرف سے یہی جواب آیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔چنانچہ آپ نے (صحابہ سے فرمایا) فرمایا: جو

---

[17] النسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، ''السنن الکبری''، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت،ج:۴،ص:۳۰۶،الرقم:۴۳۷۶

[18] الدارمی، محمد بن حبان بن احمد، ''صحیح ابن حبان''، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج:۱۳،ص:۱۲۷،الرقم:۵۸۱۰

[19] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الوصایا، باب اذا وقف أرضا أو بئراً

[20] الصلابی، علی محمد،ڈاکٹر،'' سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے''،مترجم: شمیم احمد خلیل، ص:۳۳۲،۳۳۳

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

شخص اس کو آج رات مہمان بنائے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا، انصار میں سے ایک شخص (ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) نے کھڑے ہو کر عرض کی:یارسول اللہ! میں اس کو مہمان بناؤں گا۔وہ اس مہمان کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں صرف بچوں کا کھانا ہے۔ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو، جب ہمارا مہمان آئے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں۔جب مہمان کھانا کھانے لگے تو تم چراغ کے پاس جا کر اسے بجھا دینا۔پھر وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھالیا۔جب صبح کو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ قَدْ عَجِبَ اللّٰہُ مِنْ صَنِیعِکُمَا بِضَیْفِکُمَا اللَّیْلَۃَ‘‘۔[21]

”رات کو تم نے مہمان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا، اللہ تعالیٰ اس پر بہت خوش ہوا“۔

اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

{وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ}[22]

”اور وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انہیں سخت حاجت ہو“۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سخاوت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ :

’’خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ فِی بَعْضِ نَوَاحِی الْمَدِینَۃِ وَمَعَہُ أَصْحَابُ لَہُ، وَوَضَعُوا سفْرَۃً لَہُ، فَمَرَّ بِہِمْ رَاعِی غَنَمٍ، قَالَ: فَسَلَّمَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ،ہَلُمَّ یَا رَاعِی، ہَلُمَّ، فَأَصِبْ مِنْ ہَذِہِ السُّفْرَۃِ، فَقَالَ لَہُ:إِنِّی صَائِمٌ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَتَصُومُ فِی مِثْلِ ہَذَا الْیَوْمِ الْحَارِّ شَدِیدٍ سُمُومُہُ وَأَنْتَ فِی ہَذِہِ الْجِبَالِ تَرْعَی ہَذَا الْغَنَمَ؟ فَقَالَ لَہُ:أَیْ وَاللہِ أُبَادِرُ أَیَّامِی الْخَالِیَۃَ، فَقَالَ لَہُ ابْنُ عُمَرَ وَہُوَ یُرِیدُ یَخْتَبِرُ وَرَعَہُ:فَہَلْ لَکَ أَنْ تَبِیعَنَا شَاۃً مِنْ غَنَمِکَ ہَذِہِ فَنُعْطِیکَ ثَمَنَہَا وَنُعْطِیکَ مِنْ لَحْمِہَا فَتُفْطِرَ عَلَیْہِ؟ فَقَالَ:إِنَّہَا لَیْسَتْ لِی بِغَنَمٍ، إِنَّہَا غَنَمُ سَیِّدِی، فَقَالَ لَہُ ابْنُ عُمَرَ:فَمَا عَسَی سَیِّدُکَ فَاعِلًا إِذَا فَقَدَہَا، فَقُلْتَ:أَكَلَہَا الذِّئْبُ،فَوَلَّی الرَّاعِی عَنْہُ وَہُوَ رَافِعٌ أُصْبُعَہُ إِلَی السَّمَاءِ وَہُوَ یَقُولُ:أَیْنَ اللہُ، قَالَ:فَجَعَلَ ابْنُ عُمَرَ یُرَدِّدُ قَوْلَ الرَّاعِی وَہُوَ یَقُولُ:قَالَ الرَّاعِی:فَأَیْنَ اللہُ؟ قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِینَۃَ بَعَثَ إِلَی مَوْلَاہُ فَاشْتَرَی مِنْہُ الْغَنَمَ وَالرَّاعِی فَأَعْتَقَ الرَّاعِیَ، وَوَہَبَ لَہُ الْغَنَمَ‘‘۔[23]

”ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے کسی (کونے) کنارے کی طرف نکلے، آپ کے ساتھ آپ کے چند ساتھی بھی تھے، ساتھیوں نے آپ کے لیے دستر خوان بچھایا، اسی دوران میں وہاں سے ایک چرواہے کا گزر ہوا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، آئو آئو اس دستر خوان سے تم بھی کچھ کھالو۔چرواہا بولا، میں روزے سے ہوں۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس طرح کے سخت گرم دن مین تم روزے کی مشقت برداشت کر رہے ہو، جبکہ لُو نہایت تیز ہے اور تم پہاڑوں میں بکریاں بھی چرا رہے ہو، چرواہے نے جواب دیا، جی ہاں میں ان خالی ایمان کی تیاری کر رہا ہوں جن میں عمل کا موقع نہیں ملے گا، اسی لیے دنیوی زندگی میں نیک عمل کر رہا ہوں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چرواہے کے تقوے اور خوفِ الٰہی کا امتحان لینے کے ارادے سے اس سے کہا کیا تم اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچ سکتے ہو؟ ہم تمہیں اس کی نقد قیمت دیں گے، مزید تمہارے افطار کے لیے گوشت بھی دیں گے۔

چرواہے نے جواب دیا، یہ بکریاں میری نہیں ہیں جو بیچ دوں، بلکہ یہ تو میرے آقا کی ہیں اس لیے میں انہیں نہیں بیچ سکتا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تمہارا آقا اگر کوئی بکری کم پائے گا اور تم کہہ دو گے وہ بکری گم ہو گئی ہے تو وہ کچھ نہیں کہے گا، کیونکہ ریوڑ سے ایک دو بکریاں پہاڑوں میں گم ہوتی رہتی ہیں۔

یہ سنا تھا کہ چرواہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے چل دیا، وہ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر یہ جملہ کہے جا رہا تھا:

’’أَیْنَ اللّٰہُ؟أَیْنَ اللّٰہُ؟‘‘۔

”پھر اللہ کہاں ہے؟ اللہ کہاں ہے؟“

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو چرواہے کے آقا کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور اس سے بکریاں اور اس چرواہے کو خرید لیا، چرواہے کو آزاد کر دیا اور وہ سب بکریاں اس کو تحفے میں دے دیں“۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ:

۹۹ھ ماہ صفر کی ۱۰ تاریخ اور جمعہ کے دن عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے لیے خلافت کی بیعت کی گئی، اس دن آپ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

”امابعد! لوگو یاد رکھو، محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، نہ ہی اللہ کی کتاب قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب آسمان سے نازل ہو سکتی ہے...

خبردار! جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے وہ قیامت تک حلال ہے اور جس کو حرام کیا ہے وہ قیامت تک حرام ہے، میں فیصلے کرنے والا قاضی نہیں ہوں بلکہ اسلامی قوانین کو نافذ کرنے والا ہوں...

یاد رکھو! میں بدعتی نہیں بلکہ سنت پر عمل کرنے والا ہوں، کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے، میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں، میں تمہی میں سے ایک شخص ہوں، مگر اللہ نے ایک بہت بھاری بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا ہے...

---

[21] مسلم، ’’الجامع الصحیح‘‘، کتاب الأشربۃ، بَابُ إِکْرَامِ الضَّیْفِ وَفَضْلِ إِیثَارِہِ

[22] الحشر۵۹:۹

[23] ابوبکر البیہقی، أحمد بن الحسین بن علی، ’’شعب الایمان‘‘، الدار السلفیۃ،بالھند،ج:۷،ص:۲۲۳،الرقم:۴۹۰۸

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لوگو! یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص ہمارے ساتھ رہنا چاہے، اسے پانچ باتوں کا خاص خیال رکھنا ہوگا، اگر کوئی شخص اس باتوں کا خیال نہیں رکھ سکتا تو وہ ہمارے قریب آنے کی کوشش نہ کرے:

۱۔ ہمارے پاس ایسے لوگوں کی ضروریات اور شکایات پہنچائے جو خود اسے پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

۲۔ بھلائی کے کاموں میں حسب استطاعت ہماری مدد کرنا ہوگی۔

۳۔ بھلائی اور نیکی کے کاموں کی طرف ہماری رہنمائی کرنا ہو گی تا کہ ہم رعیت کے حق میں صحیح اقدامات اٹھا سکیں۔

۴۔ ہمارے پاس رعایا میں سے کسی بھی شخص کی غیبت نہ کی جائے۔

۵۔ بے معنی اور لایعنی باتوں سے گریز کرنا ہوگا، ہماری مجلس میں صرف سنجیدہ امور پر بات چیت ہوگی۔

میں آپ سب لوگوں کو اللہ کے تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ تقویٰ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے اور دنیا کی تمام اشیاء فنا ہونے والی ہیں۔ آخرت کے لیے محنت کرو، جو شخص آخرت کی محنت کرتا ہے اللہ تبارک وتعالی اس کی دنیا کے تمام کام درست فرما دیتا ہے، اپنے باطن کو ٹھیک کرلو، اللہ کریم تمہارے ظاہر کو سنوار دے گا، موت کا ذکر کثرت سے کرو اور اس کے آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کرو کیونکہ وہ لذتوں کو پاش پاش کردینے والی چیز ہے...

لوگو! یہ امت اللہ کی ذات کے متعلق آپس میں نہیں لڑتی، یہ اللہ کی کتاب کے بارے میں بھی نہیں جھگڑتی، نہ ہی سنت کے حولے سے ان میں کوئی اختلاف ہے، یہ جب بھی جھگڑتی ہے درہم و دینار کے لیے جھگڑتی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نہ تو کسی کو ایک درہم بھی باطل طریقے سے عطا کروں گا اور نہ ہی ناجائز طریقے سے کسی کا حق دباؤں گا...

لوگو! یاد رکھو، آپ کا حکمران اگر اللہ کی اطاعت کرنے والا ہو گا تو آپ پر بھی اس کی اطاعت واجب ہے، لیکن اگر وہ اللہ کا نافرمان ہوگا تو اس کی اطاعت کسی شخص پر واجب نہیں، جب تک میں اللہ کی فرمانبرداری کروں تب تک میرا کہنا مانو، جب میں اللہ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہ ہو گی، تمہارے ارد گرد جو شہر اور بستیاں ہیں اگر وہ لوگ میری اطاعت قبول کریں گے تو میں ان کے حقوق کی حفاظت کروں گا اور اگر وہ میری اطاعت سے انکار کریں گے تو پھر ان کی حفاظت کا میں ذمہ دار نہیں"۔[24]

علی بن حسین رحمہ اللہ (زین العابدین) کی سخاوت:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا، اسْتَنْقَذَ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ قَالَ سَعِيدُ بْنُ مَرْجَانَةَ:فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، فَعَمَدَ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِلَى عَبْدٍ لَهُ قَدْ أَعْطَاهُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ أَوْ أَلْفَ دِينَارٍ، فَأَعْتَقَهُ''۔[25]

"جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالی اس غلام کے جسم کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے میں اس شخص کے جسم کے ہر ہر عضو کو جہنم سے آزاد کرے گا"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرنے والے راوی سعید بن مرجانہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سن کر میں زین العابدین رحمہ اللہ کے پاس گیا اور انہیں یہ حدیث بیان کی۔ زین العابدین اپنے ایک غلام کی طرف متوجہ ہوئے جس کی قیمت عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے اس غلام کو آزاد کر دیا"۔

عہد نبوی میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، دیگر صحابہ کرام تو ایک طرف، خواتین بھی مرد حضرات کے شانہ بشانہ صدقہ کیا کرتی تھیں، ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے محنت کرکے صدقہ کیا کرتی تھیں۔[26]

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ عید کی نماز پڑھانے کے بعد عید گاہ میں عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ عورتوں نے اپنی بالیاں، خوشبو اور ہار اُتار کر صدقے میں دے دیے۔[27]

ہبہ و صدقہ جہاں آپس کی محبت و مودت قائم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے تو ساتھ دلی کدورتیں، نفرتیں، بغض و عناد بھی قلع قمع کرنے کا اکسیر نسخہ ہے، ساتھ ہی نخوت و تکبر کو رفع کرنے کا بھی نسخۂ کیمیا ہے۔ صحابہ کرام کے صدقات و خیرات، ہبہ و عطیہ کرنے کی روشن مثالوں سے دورِ حاضر کے رویے درست کرنے کی ضرورت ہے، مال سے محبت کرنے والوں، اور مال ہی کو سب کچھ سمجھنے والوں کو قرآن و سنۃ اور صحابہ کرام کی روشن مثالوں سے سمجھ بوجھ حاصل کرنے کیلئے دعوت دینے کی ضرورت ہے۔

عوام کو معاشی آسودگی فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہے، ایک آزاد، خود مختار، اسلامی و فلاحی ریاست اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک قرآنی تعلیمات پر مبنی عہد نبوی کے ان فرامین پر عمل نہ کیا جائے جن سے عوام و حکمران دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں سے خوب واقف تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے ابن خطاب! اپنے بعد تمہیں خلیفہ بنانے میں میرے پیش نظر وہ امور و مسائل ہیں جن کو میں چھوڑے جا رہا ہوں، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ کس طرح ہم کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، اور ہمارے بال بچوں کا اپنے بال بچوں سے زیادہ خیال رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہمارا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ہم

---

[24] مجاہد، عبد المالک، "عمر بن عبد العزیز کی زندگی کے منتخب سنہرے واقعات"، دار السلام۔ لاہور، ص: ۱۵۳

[25] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب العتق، باب فی العتق وفضلہ

[26] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الزکاۃ، بَابُ فَضْلِ صَدَقَةِ الشَّحِيحِ الصَّحِيحِ

[27] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب اللباس، بَابُ القَلاَئِدِ وَالسِّخَابِ لِلنِّسَاءِ

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

آپ ﷺ کے گھر والوں کو جو تحائف بھیجتے تھے وہ آپ ہی کے بچے ہوئے تحائف ہوتے تھے جو ہمارے پاس خود آپ کے یہاں سے آتے تھے، تم میرے ساتھ رہے ہو اور تم نے دیکھا ہے کہ میں اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلتا رہا ہوں، اللہ کی قسم میں نے خواب و خیال میں بھی کبھی راہ راست سے قدم نہیں ہٹائے ہیں"۔[28]

عبداللہ یوسف ذہبی لکھتے ہیں:

"کسی شے کو بطور صدقہ وقف کر دینا، جو لوگوں کے لیے مستقل خیر کا باعث بنی رہے، صدقہ جاریہ کہلاتا ہے۔جب تک صدقہ کی گئی چیز سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے، میت کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔جیسے کوئی شخص اپنی زندگی میں قرآن مجید کے نسخے تقسیم کرتا ہے اور لوگ اس سے تلاوت کرتے ہیں، اس کے مرنے کے بعد بھی جب تک لوگ اس کے تقسیم کردہ مصاحف سے تلاوت کرتے رہیں گے، اسے برابر ثواب ملتا رہے گا۔ایک شخص مسجد بنوا کر مر جاتا ہے تو جب تک لوگ اس مسجد میں نماز پڑھتے رہیں گے اسے اس کا ثواب ملتا رہے گا۔صدقہ جاریہ کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں، جیسے کنواں کھدوا کر یا ٹیوب ویل لگوا کر اس کا پانی لوگوں کے لیے وقف کر دینا، کسی کو کوئی ہنر سکھا دینا تاکہ وہ حلال روزی کما سکے، مسجد تعمیر کرنا یا مسجد میں نمازیوں کی سہولت کے لیے کوئی انتظام کرنا مثلاً پنکھے لگوا دینا، گرمیوں میں نمازیوں کے پینے کے لیے ٹھنڈے پانی کا کولر لگوا دینا وغیرہ۔اسی طرح قبرستان کے لیے جگہ وقف کرنا، ہسپتال بنوانا، ہسپتال میں مریضوں کے لیے کوئی چیز وقف کرنا جیسے وہیل چیئر، ایکسرے مشین یا ایمبولینس وغیرہ، دینی مدارس کا انتظام و انصرام اور علوم دینیہ کے طلبا کی کفالت کرنا، عوام کے مطالعے کے لیے لائبریری بنانا"۔[29]

صدقات کی مزید تفصیلات کے ضمن عبداللہ یوسف ذہبی لکھتے ہیں:

"مجاہد بذات خود جتنا بھی امیر ہو، لیکن جہاد فی سبیل اللہ میں وہ صدقہ لے سکتا ہے۔اسی طرح ایک امیر شخص کو کوئی چٹی بھرنی پڑے جائے تو اس کے لیے بھی وہ صدقہ لے سکتا ہے۔چٹی بھرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص فریقین کا جھگڑا ختم کرانے کے لیے ایک فریق کی طرف سے ادائیگی کی ہامی بھر لے اور بعد میں وہ رقم اسی کو دینی پڑے جائے۔مسلمان معاشرے میں بہت سے ضرورت مند اور مسکین قسم کے لوگ ہوتے ہیں، جن کا گزر بسر بڑی مشکل سے ہو رہا ہوتا ہے، لیکن وہ سفید پوشی کی وجہ سے مانگتے نہیں، مالدار اور صاحب حیثیت لوگوں کو چاہیے کہ اپنے قرب و جوار میں ایسے لوگوں کو خود تلاش کریں اور ان کے ساتھ مالی تعاون کریں۔اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو صدقات و خیرات کے مصارف میں بیان فرمایا ہے۔ایسے فقراء اور محتاج لوگوں کے ساتھ اگر لوگ خود تعاون نہیں کرتے تو اس صورت میں ان کے لیے سوال کرنا جائز ہے لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ صرف اتنی دیر تک انہیں مانگنے کی اجازت یہ جب تک ان کی ضرورت پوری نہیں ہو جاتی یا گزران درست نہیں ہو جاتی، اگر ضرورت پوری ہو جانے کے بعد بھی مانگتے رہیں تو یہ جائز نہیں بلکہ وہ مال ان کے لیے حرام شمار ہو گا۔[30]

سماجی بہبود کے لیے ہبہ کے مختلف پہلو :

"قاموس الفقہ" میں اس کی تفصیلات یوں درج ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے لیے صدقہ حرام ہے، لیکن ہدیہ جائز ہے… عام ہدیہ کو واپس کرنا مناسب نہیں کہ اس سے ہدیہ کرنے والے کی دل آزاری ہوتی ہے، لیکن خاص طور پر تین تحفوں کو واپس کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا: تکیہ، خوشبو اور دودھ۔علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان اشیاء سے مہمان کا اکرام کیاجانا چاہیے۔واعظ و مفتی اور امام کے لیے ہدیہ: جہاں اور لوگوں کے لیے ہدیہ لینا جائز ہے، وہیں واعظ اور مفتی کے لیے بھی ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، بعض حضرات نے امام کے لیے بھی ہدیہ قبول کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔امام سے امام المسلمین کی طرف ذہن جاتا ہے، لیکن شامی نے قاضی خان سے نقل کیا ہے کہ امام سے امام مسجد مراد ہے، امام المسلمین کا تحفہ قبول کرنا ان ہی صورتوں میں جائز ہے جن صورتوں میں قاضی تحفہ قبول کر سکتا ہے۔اسی طرح مفتی کے لیے بھی اس وقت تحفہ قبول کرنا جائز ہے جب کہ مستفتی اس سے فائدہ اٹھانے کا خواہش مند نہ ہو، اگر تحفہ دے کر مستفتی مفتی کا استحصال کرنا چاہتا ہو تو ایسا تحفہ قبول کرنا درست نہیں۔

قاضی اور تحفہ: قاضی اور وہ تمام لوگ جو کوئی ایسے منصب پر فائز ہوں جن سے عام لوگوں کے مفادات متعلق ہوں، ان کے لیے مخصوص صورتوں میں ہی تحفہ قبول کرنے کی گنجائش ہے، ایک تو اپنے قریبی محرم رشتہ داروں سے، دوسرے ان لوگوں سے جو اس کے اس عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے بھی اسے تحفے دیا کرتے تھے، بشرطیکہ وہ اپنے گذشتہ معمول کے بقدر ہی تحفہ دیا کریں، او اس کا مقدمہ اس قاضی کی عدالت میں اس عہدیدار کے زیر غور نہ ہو، تیسرے اپنے سے اونچے عہدیداروں کے تحفے، کہ جو لوگ تحفہ دے رہے ہوں ان کو بظاہر اس سے نفع کی توقع نہ ہو، عام لوگ، اسی طرح قاضی کیلئے مقدمہ کے فریق اور عہدیداروں کے لیے اپنے عہدہ سے متعلق حاجت مندوں کا تحفہ قبول کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ رشوت کے حکم میں ہے۔اسی طرح مقروض قرض دہندہ کو تحفہ دے حالانکہ پہلے وہ نہیں دیتا تھا یا معمول کی مقدار سے زیادہ دے تو یہ بھی رشوت ہی کے حکم میں ہے۔

غیر مسلموں کو ہدیہ: مشرک کو ہدیہ دینا اور مشرک سے ہدیہ قبول کرنا دونوں صورتیں جائز ہیں، امام بخاری نے اپنی کتاب میں ان دونوں مسائل کو الگ الگ عنوان کے تحت ایک ہی جگہ ذکر فرمایا ہے، مشرکین کو ہدیہ دینے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں امن پسند پر مشرکین کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کا حکم دیا گیا ہے(الممتحنۃ:۸) نیز اس روایت سے کہ جب حضرت اسماءk کی والدہ آئیں اور وہ مشرک تھیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا ان کے ساتھ حسن سلوک کیاجائے؟ تو

---

[28] ابو یوسف، قاضی امام، کتاب الخراج، مترجم: مولانا نیاز احمد، مکتبہ رحمانیہ۔لاہور، ص:۴۵

[29] ذہبی، عبداللہ یوسف، "فضائلِ صدقات"، مکتبہ اسلامیہ۔لاہور، ص:۶۳

[30] ذہبی، عبداللہ یوسف، "فضائلِ صدقات"، مکتبہ اسلامیہ۔لاہور، ص:۱۳۳،۱۳۴

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا، امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک حلہ اُن کو عطا فرمایا اور انہوں نے وہ اپنے کافر رضاعی بھائی عثمان بن حنیف جو مکہ میں مقیم تھے، کو عطا فرما دیا، اس کے علاوہ غزوۂ بدر کے موقعہ سے قیدیوں کو نئے کپڑے دینا اور مختلف مواقع پر اسلام کی ترغیب کی غرض سے غیر مسلموں کو تحائف دینا متعدد روایات میں مذکور ہے۔

غیر مسلموں کا ہدیہ: اسی طرح مشرکین کا تحفہ قبول کرنا بھی جائز ہے۔ آنحضور ﷺ نے ملکہ آیلہ سے خچر اور چادر کا تحفہ قبول فرمایا ہے، دومۃ الجندل نامی مقام کے فرماں روا اکیدر نے ایک ریشمی جبہ پیش کیا، آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا۔اس وقت تک مردوں کے لیے ریشم کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، امام بخاری نے اس پر ایک یہودی خاتون کی طرف سے حضور ﷺ کی دعوت اور زہر آلود گوشت کھلانے سے بھی استدلال کیا ہے، اور اس واقعہ سے بھی کہ بادشاہِ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہدیۃً حضرت ہاجرہ علیہاالسلام کی پیشکش کی تھی جسے آپ علیہ السلام نے قبول فرمایا۔ مشرکین کے تحائف قبول کرنے کی اور بھی روایات موجود ہیں۔ البتہ ابوداؤد اور ترمذی کی اس روایت سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مشرک نے تحفۃً اونٹنی پیش کی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم مسلمان ہو چکے ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مشرکین کے عطیات سے منع کیا گیا ہے۔ اہل علم نے ان تضادات کو دور کرنے کے لیے مختلف توجیہات کی ہیں، لیکن خیال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا تحفہ قبول کرنا اور نہ کرنا دعوتی اور تبلیغی مصلحت سے متعلق تھا، جن لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ یہ خیال فرماتے کہ ان کا ہدیہ قبول کر لینے کی وجہ سے اسلام کے تئیں ان کی موانست بڑھے گی، ان کا تحفہ آپ ﷺ قبول فرما لیتے، اور جن کے بارے میں اندازہ ہوتا کہ تحفہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کی محبت اس بات پر مجبور کر دے گی کہ اسلام قبول کرے، کیونکہ بعض اوقات تنبیہ و توبیخ ہی زیادہ اثر انداز ہوتی ہے تو ان کا ہدیہ ردّ فرما دیتے، ویسے فی نفسہٖ آپ ﷺ غیر مسلموں کے تحائف کو جائز سمجھتے تھے، اگر ناجائز سمجھتے تو کسی بھی صورت میں ان کا تحفہ قبول نہیں فرماتے۔

اگر ہدیہ دینے والے کے پاس مال حرام ہو؟ اگر تحفہ دینے والے کی آمدنی حرام ہو، یا اس میں حرام کی آمیزش ہو تو ایسی صورت میں تحفہ قبول کرنے کی بابت حسب ذیل تفصیل ہے:

۱۔اگر پورا ذریعہ آمدنی ہی حرام ہو تو ایسے شخص کا تحفہ قبول کرنا جائز نہیں۔

۲۔اگر اس کی آمدنی کا اغلب حصہ حرام ہو اور اس بات کی وضاحت نہ ہو کہ ہدیہ میں جو مال دیاجارہا ہے وہ حرام ہے یا حلال، تو اس کا قبول کرنا جائز نہیں۔

۳۔اگر ایسا شخص اس وضاحت کے ساتھ ہدیہ دے کہ میں یہ ہدیہ مالِ حلال میں سے دے رہا ہوں تو ایسا ہدیہ قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۴۔اگر کسی کی آمدنی کاغالب حصہ حلال ہو اور ہدیہ کے بارے میں یہ وضاحت نہ ہو کہ یہ مال حلال سے ہے یا حرام سے؟ تو ایسے شخص کا ہدیہ قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۵۔اگر ایسے شخص کے ہدیہ کے بارے میں معلوم ہوجائے کہ یہ مال حرام سے ہے، تو اس ہدیہ کا قبول کرنا جائز نہیں"۔[31]

ابتدائی زمانہ اسلام میں جو مساجد تعمیر ہوئیں، وہ زیادہ تر مسلمانوں کی اجتماعی کوششوں کی مرہون منت تھیں، مثال کے طور پر مدینہ منورہ میں مسجد قبا اور مسجد نبوی، اسی طرح کوفہ، بصرہ، دمشق وغیرہ کی مسجدیں، تاہم جلد ہی قبائل کی سطح پر مساجد کی تعمیر ہونے لگی، مثال کے طور پر مدینہ منور میں مسجد عمرو بن عوف، مسجد بنو غنم بن عوف اور مدینہ منورہ کے آس پاس بنو قریظہ، بنو حارثہ، بنو ظفر، بنو وائل، بنو حرام اور بنو زریق کی مساجد وغیرہ۔ تاہم نماز جمعہ فقط مسجد نبوی ہی میں ادا کیاجاتا تھا اور یہ مساجد فقط نماز پنجگانہ کے لیے مخصوص تھیں۔ پھر اس میں بھی تبدیلی آئی اور مسلمانوں نے انفرادی طور پر مساجد کی تعمیر و تکمیل کا سلسلہ شروع کر دیا، اس ضمن میں قدیم ترین مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے، جنھوں نے مکہ مکرمہ میں ایک ذاتی مسجد بنائی ہوئی تھی، جو فقط ایک چبوترے پر مشتمل تھی، اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی ایک صحابی حضرت عتبان رضی اللہ عنہ بن مالک نے، جو بقول ان کے موسم برسات میں اپنے قبیلے کی مسجد میں پہنچنے سے معذور رہتے تھے، اپنے گھر میں مسجد بنا لی، جس کا افتتاح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔اسی طرح خاندانوں کے نام پر اوقاف ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا ناظر ہوتا، یہ خانقاہوں مسجدِ مدرسوں اور مزارات کے اوقاف تھے اور اس عنوان سے مصر و شام میں بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں، جن میں سے بعض فی الحقیقت سرکاری اراضی تھیں، جنہیں حاصل کرکے وقف کر دیا گیا تھا۔

[31] سیف اللہ رحمانی، مولانا خالد، "قاموس الفقہ"، زمزم پبلشرز۔کراچی، ج:۵، ص: ۳۳۸،۳۴۰